مسئلہ کشمیر پر پاکستانی شعراء کی نگارشات کا مطالعہ

الطاف حسین لنگڑیال*
شاہد حسن رضوی**

ABSTRACT:

Kashmir is Jugular vein of Pakistan. Indigenous and native people are struggling against the occupied forces which are resulting serious miseries and high discomfort among the Kashmiris as well as among the Pakistanis. Every sensitive mind human being feels these pains and sorrows of Kashmiris. Pakistani poets converted their emotions and feelings towards Kashmiris into the poetry. The topic "Kashmir issue and Urdu Resistant literary Movement of Pakistani Poets" is a basically review of Pakistani Urdu poetry on Kashmir issue. It has been divided into two parts, first is a commentary on complete books on the issue and second is a review of different Pakistani Urdu poets regarding resistant poetry on Kashmir issue. In this article the selected poetry of Pakistani poets on the Kashmir issue is presented and discussed its literary and influential importance.

Keywords: Kashmir, poets.

خطۂ کشمیر جنت نظیر کے مصائب اوران کی مرثیہ خوانی کا آغاز تو اسی دن ہو گیا تھا جب اپنوں کی بے مہری اور نا عاقبت اندیشی کے باعث ۱۸۱۹ء میں اس پر سکھوں کا قبضہ ہوا۔ پہلے معاہدہ لاہور اور پھر معاہدہ امرتسر کی رو سے وادیٔ جموں و کشمیر اور اس کی قوم کا پہلے سکھوں کے ہاتھوں انگریزوں کو سوا دس لاکھ اشرفیوں کے عوض اور پھر انگریزوں کے ہاتھوں گلاب سنگھ ڈوگرہ کو پچھتر لاکھ روپے نانک شاہی میں سودا کر دیا گیا۔علامہ اقبال نے ان رسوائے زمانہ معاہدوں کا مرثیہ یوں لکھا'

دہقان و کشت و جوئے و خیاباں فروختند
قومے فروختند وچہ ارزاں فرختند

علامہ اقبال جو اس دھرتی کے فرزند تھے ''ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض'' میں جہاں کشمیر کے حسن کی دلفریبی کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں'

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور برقی پتا: altaf.hussain@iub.edu.pk
** ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ تاریخ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
تاریخِ موصولہ: ۱۲/۱۲/۲۰۱۴ء

پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مرغانِ سحر تیری فضاؤں میں ہیں بے تاب

اے وادیٔ لولاب!

تو وہیں وہ محکوم و مجبور کشمیر کا دُکھ یوں ظاہر کرتے ہیں

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر(۱)

اس پس منظر میں پاکستان کے اردو شعراء نے کشمیر اور اہل کشمیر کے درد کو محسوس بھی کیا ہے اور اسے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے میں اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ اردو میں مسئلہ کشمیر پر مزاحمتی ادبی تحریک کا موثر ترین حصہ نظم اور ترانہ کی صورت میں ہے۔ جس سے اہل وادی میں ایک طرف تحریک مزاحمت کو تقویت ملی تو دوسری طرف اہل پاکستان کشمیریوں کی پشتیبانی کے جذبے سے سرشار ہوئے۔ کشمیر پر نظموں اور ترانوں کی صورت میں مزاحمتی ادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(i) نظم و ترانہ کی مکمل کتب (ii) متفرق نظمیں اور ترانے

i- نظم و ترانہ کی مکمل کتب:

اس سلسلہ میں تین کتب ہماری نظر سے گزر سکی ہیں۔

۱۔ سرِ وادیٔ کشمیر از شفقت تنویر مرزا

شفقت تنویر مرزا کا تعلق بنیادی طور پر کشمیر سے ہے مگر اپنے طالب علمی دور سے پاکستان میں مقیم ہیں اور صحافت کے میدان میں ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ پاکستان کی آزادی کے بعد مراحل تحریک آزادی کشمیر کو انہوں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ عام طور پر ان کو ایک روشن خیال مفکر خیال کیا جاتا ہے۔ ان کے نظریات کی تعبیریں مختلف ہوتی ہیں۔ ان کی کتاب ''سرِ وادیٔ کشمیر'' کو دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا ہے۔ موصوف صحافت کے پیشے سے وابستہ رہے اور بالعموم پنجابی ادب اور پنجاب کے صوفی شعراء کی سوانح ان کا میدانِ تحقیق تھا۔ کشمیری الاصل ہونے کی بنیاد پر ان کے کالج کے زمانے کے کشمیر پر کہے گئے اشعار، ترانوں اور نظموں کا مجموعہ مذکورہ صدر عنوان سے جب شائع ہوا تو بقول ان کے بہت وقت گزر جانے کے باوجود ان کی یہ کاوش کشمیر کی صورتحال پر آج بھی صادق آتی ہے کیونکہ کشمیر کی صورتحال میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ یک صد اکسٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا مقدمہ ''حرفِ محرمانہ'' کے نام سے کلیم اختر نے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

''شفقت تنویر مرزا کا احساسِ وطنیت اور اپنی مٹی سے پیار بے ساختہ ہے وہ کوئی بات ایسی نہیں کہتے جو سطحی ہو یا خیالی ہو یا فرمائشی''۔

خود مصنف نے اپنے احساسات کو فیض احمد فیض کے ایک مصرعہ ''توفیق ذکرِ وطن اپنے روبرو ہی سہی'' کے عنوان سے تحریر کیا جس کے مطابق ان نظموں میں آخری فریاد غالباً ۱۹۵۵ء میں کی گئی، کل اکیاون نظمیں شاملِ اشاعت ہیں۔

پہلی نظم ''پہلی پکار'' کے عنوان سے ہے جس میں کشمیر کی صورتحال بیان کر کے آخر میں خدائے عالم سے مدد کی درخواست کی گئی ہے دو نعتیں شاملِ اشاعت ہیں جن میں غمِ کشمیر کو بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا گیا ہے۔ پھر شاہ ہمدانؒ کی روح سے کچھ باتیں اسی سلسلہ میں نظم کی گئی ہیں۔ دو کنارے میں کشمیر کے دونوں حصوں کے عوام کی دوری، دلوں کی قربت اور مشترکہ غم کی عکاسی کی گئی ہے۔ حرم کا ورثہ، تقلید کا فرض، سرِ راہ گزر، شمع امید، خاک وطن، جاتا سال آتا سال، تہی دستی اور ایسی ہی دوسری نظموں میں کشمیر جنت نظیر کی نکہتوں کی بربادی کے تذکرے ہیں۔ ''ارض مظلوم'' میں شاعر کہتے ہیں؛

آہ! مظلوم وطن، اچھے وطن پیارے وطن
تجھ پہ بے رحم خزاؤں کی یہ یورش کیسی!
آہ، خوں رنگ قباؤں کی یہ پوشش کیسی
تیرے رنگین خیالوں میں یہ سوزش کیسی
تجھ کو بے دردی سے سر کرنے کی کوشش کیسی (۲)

''غنچہ تا شگفتن ہا'' میں کہتے ہیں؛

قدم قدم پہ جنازے ہیں مرنے والوں کے
شرارِ حرص و ہوس ہے دلوں میں رقصندہ
یہ کشمکش، یہ فروزاں کدورتوں کے چراغ
نہ جانے گزرے گا کیا کیا دلوں پہ آئندہ

اور وادی کے اجڑے چناروں پر گزرتی قیامت کی عکاسی کچھ یوں کی ہے؛

جمالِ زیست نے دیکھا ہے چشمِ پُرنم سے
اجڑ رہی ہے چناروں کے حسن کی وادی
گزر رہی ہے قیامت ستم کے ماروں پر
حیات شعلہ بداماں نگاہ فریادی (۳)

''خواب گل پریشاں ہے'' کے عنوان سے نظم میں اقوام متحدہ کے ادارے کی بے حسی کا تذکرہ یوں کرتے ہیں؛

کھٹکھٹایا در اقوام تو آئی یہ صدا
ہم کو فرصت نہیں سازش کی طرب گاہوں سے

اب پریشاں نہ کرو وقت کے جبّاروں کو
لوٹ جاؤ سبھی تم آئے ہو جن راہوں سے(۴)

ملت کے ''راہ نماؤں سے'' یوں مخاطب ہیں؛

قافلہ، قافلہ سالارو! بھٹک جائے گا
تم اگر وقت کی رفتار سے واقف نہ ہوئے
کوئی دنیا میں ٹھکانہ نہ رہے گا اپنا
تم جو اغیار کی گفتار سے واقف نہ ہوئے(۵)

غرض شفقت تنویر مرزا اپنی اس کتاب کے ہر ورق اور ہر ورق کی ہر سطر میں کشمیر کے دکھ کو الفاظ میں منتقل کرتے نظر آتے ہیں۔ کتاب کے سرورق پر دو مظلوم کشمیری خواتین کو آہ و بکا کرتے دکھایا گیا ہے جن کے اوپر خون کسی لاوے کی مانند چھایا جا رہا ہے، اس صورتحال کی غماز مصنف کی نظم ''آخری فریاد'' ہے جو کتاب کی سب سے آخری نظم ہے۔ اللہ رب العالمین کی طرف سے ظالموں کی رسی دراز کرنے پر یوں شکایت کناں ہیں؛

چیختی پھرتی ہیں فریادیں سرِ عرشِ بریں
داورِ محشر کے دروازوں سے ٹکراتی ہیں سر
طالبِ انصاف ہیں اس خالقِ آفاق سے
آج ہے ہر ظلم سے جو بے نیاز و بے خبر

پھر یوں عرض گزار ہیں؛

مالک ارض و سما، اے میرے آباء کے خدا
دیکھ دھرتی پر نہ مٹ جائے تیرا قدسی جمال
بن نہ جائے قصۂ پارینہ تیرا عدل بھی
جوش میں آیا نہ گر یہ دیکھ کر تیرا جلال

نظم کے اختتام پر خالقِ ارض و سما کی رحمت سے امید اور دعاؤں کے مستجاب ہونے اور ان کی تاثیر کا نقشہ کھینچتے ہیں؛

''اے دعائیں مانگنے والے اندھیری رات میں
لحظہ لحظہ منقلب ہوتی ہوئی تقدیر دیکھ''
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ(۶)

۲۔ جنگ جاری رہے از سلیم ناز بریلوی

سلیم ناز بریلوی کی ''جنگ جاری رہے'' کشمیریوں کے غموں کی عکاسی کے ساتھ تازہ تحریکِ مزاحمت میں ان کے جذبات کی ترجمان بن کر ابھری ہے۔ دوصد چھتیس صفحات پر مشتمل اس کتاب کو اسلامک پبلی کیشنز لاہور نے چھاپا ہے۔ جس میں کل اٹھاسی نظمیں اور انقلابی ترانے کشمیر ہی کے موضوع پر ہیں۔ سرخ رنگ کے سرورق پر کشمیر کے چنار کا ''پتّہ'' جو کشمیر کا امتیازی نشان بھی ہے، اور پر پوری آب وتاب کے ساتھ سبز رنگ میں دکھایا گیا ہے جو زرد ہوتا ہوا نیچے بہتے ہوئے آگ کے دریا میں گر کر سرخ ہو چکا ہے اور بہنے ہی والا ہے۔ کتاب کا پیش لفظ قاضی حسین احمد نے لکھا ہے جبکہ دیگر تاثرات لکھنے والوں میں امجد اسلام امجد، سید صلاح الدین، جنرل (ر) حمید گل اور عطاء الحق قاسمی ہیں۔ پھر شاعر کے اپنے خیالات کا اظہار ہے۔ امجد اسلام امجد، سلیم ناز بریلوی کی نظموں اور ترانوں کی مقبولیت پر لکھتے ہیں؛

''میں سمجھتا ہوں کہ عوامی مقبولیت خود اپنی جگہ پر ایک باقاعدہ اور مسلمہ معیار ہے۔ سو عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کا گانا ہو یا استاد دامن اور سلیم ناز بریلوی جیسے شاعروں کی شاعری۔۔۔۔۔۔۔'' (۷)

عطاء الحق قاسمی کے بقول؛

> ''سلیم ناز ایک انتھک قلمی مجاہد ہے جو اب تک صرف جہاد کشمیر کے موضوع پر سینکڑوں رزمیہ ترانے لکھ چکنے کے باوجود اسی موضوع پر تخلیقی دولت سے مالا مال ہے۔۔۔۔۔ میں اپنے اس دوست کو سلام کرتا ہوں'' (۸)

کتاب کا ٹائٹل (عنوان) اُن کی پہلی نظم سے ماخوذ ہے، کہتے ہیں؛

غیب سے فتح کی برفباری رہے
جنگ جاری رہے جنگ جاری رہے
میرے بیٹے یہ ماں تجھ پہ واری رہے
جنگ جاری رہے جنگ جاری رہے
خار کی نوک سے پھول کے رنگ تک
زعفرانی ہواؤں کے آہنگ تک
آئینوں تک ہی کیا ایک اک سنگ تک
یہ ہماری زمیں ہے ہماری رہے
جنگ جاری رہے جنگ جاری رہے (۹)

آزادی کے تین نشان، اہل وادی جشن مناؤ اب جموں بھی جاگا ہے، اگرچہ کاشمیر میں ستم کی گھور رات ہے اور اللہ اکبر

اللہ اکبر ایسی مترنم نظمیں اور انقلابی ترانے تن بدن میں ایک ولولہ اور آزادی کی امنگ بھر دیتے ہیں۔

سلیم ناز بریلوی کے ہاں محض کشمیر کے دکھ اور درد کا رونا نہیں ہے۔ وہ اگرچہ قابض فوجوں کے ہاتھوں کشمیریوں پر لگنے والے ایک ایک زخم کا تذکرہ اس کے گھاؤ اور روح تک اس کی ٹیسوں کے ساتھ کرتا ہے تاہم وہ اس سے جذبۂ محرکہ کا کام لیتا ہے۔ اور ان دکھوں کو قوت اور جذبۂ جہاد میں بدل دیتا ہے اور آزادی کی منزل سامنے دکھا دیتا ہے؎

آزادی کا سورج نکلا گھور اندھیرے بھاگ ذرا
امتِ مسلم جاگ ذرا(۱۰)

تازہ تحریک آزادی میں ناز ایک تو جابجا قابض فوج کے گرے ہوئے مورال کا تذکرہ کر کے تحریک آزادی کشمیر کے مجاہدین کو حوصلہ دیتا ہے۔ دوسرے وہ دنیا کو اس مسئلہ کی سنگینی سے آگاہ کرتا نظر آتا ہے۔ اُس نے ایک ترانے میں "We Want Freedom" کے انگریزی جملہ کو باقاعدہ مصرعہ بنایا ہے اور ہر بند کے آخر پر اس کو دہرا کر اقوامِ عالم کو متوجہ کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ وہ جابجا ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت دیگر عالمی اداروں کی منافقت کا پول کھولتے ہوئے نظر آتا ہے۔

شاعر نے معروف کشمیری ترانے ''میرے وطن تری جنت میں آئیں گے اک دن'' کی بڑی خوبصورت تضمین کی ہے؎

جھلس رہے ہیں جہنم میں آج گھر سارے
بھڑکتی آگ کا ایندھن ہیں بام و در سارے
لہو سے آتش نمرود کو بجھا دیں گے
ترے بدن سے اے شہہ رگ تجھے ملا دیں گے
سو کاشمیر تری جنت میں آئیں گے اک دن
ترے چناروں کو دولہا بنائیں گے اک دن(۱۱)

ایک اور نہایت ولولہ انگیز نظم کو انہوں نے خود ترنم سے گا کر موسیقیت کا خوبصورت آہنگ عطا کیا؎

کر نغمۂ آزادی برپا آہنگِ طوق و سلاسل سے
خود سارے خنجر چھوٹ گریں گے ہر اک دستِ قاتل سے(۱۲)

وہ اپنی نظموں میں جابجا مغرب اور دیگر استعماری طاقتوں کے اس پراپیگنڈے کو غلط قرار دیتا ہے کہ ''کشمیری مجاہدین'' دہشت گرد ہیں چنانچہ اس کی ایک نظم کا ایک مصرعہ ہے

ہم دہشت گرد نہیں ہیں کشمیر ترے رکھوالے ہیں(۱۳)

سلیم ناز بریلوی کی کئی ایک نظمیں تو پاکستانی سرکاری ذرائع ابلاغ پر بھی مختلف اوقات میں کئی ڈراموں اور پروگراموں میں اس کی اپنی آواز میں چلتی رہی ہیں۔وہ پاکستان کے اس اصولی موقف کہ ''کشمیر پاکستان کی شہہ رگ ہے'' اور کشمیریوں کے الحاق پاکستان کے مطالبے کے حق میں یوں کہتے ہیں'

بات یہ گزرے چاہے ہندوستان پہ جتنی شاق
پاکستان سے ہونا ہے کشمیر کا اب الحاق(۱۴)

۳۔شوق شہادت زندہ ہے،از گوہر ملسیانی

گوہر ملسیانی کی اس کتاب کو نومبر ۱۹۹۳ء میں گوہر پبلکیشنز صادق آباد نے شائع کیا۔کتاب کا انتساب ہی کشمیری مجاہدین کے نام ہے۔اسی صفحات پر مشتمل اس کتاب پر ڈاکٹر انور سدید کے تاثرات بیک ٹائٹل پر چھپے ہیں۔اس میں چند ایک نظمیں اور ترانے کشمیر کے علاوہ عالم اسلام کی عمومی حالت،افغانستان اور دیگر ممالک اسلامیہ کی صورتحال پر بھی ہیں تاہم مجموعی طور پر یہ کتاب مصنف کی کشمیر سے متعلق ان کے جذبات واحساسات کے منظوم پیرائے میں ایک کاوش ہے۔کتاب کے آغاز ہی میں ایک ''دعا'' ہے جس میں مجموعی طور پر عہد حاضر میں اہل اسلام کے حالات میں اللہ سے بہتری کی درخواست ہے۔پھر مناجات ہے۔اس کے بعد ایک خوبصورت ترانہ شامل اشاعت ہے ملاحظہ ہو'

اللہ اکبر زندہ ہے اللہ اکبر زندہ ہے
ہر مردِ مجاہد زندہ ہے اللہ اکبر
ہر نخل گواہی دیتا ہے کشمیر کی اجلی وادی کا
کشمیر میں جو چنگاری تھی اب شعلہ ہے آزادی کا
اب نعرہ ہے یہ مستانہ کشمیر کی سب آبادی کا
اللہ اکبر۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۱۵)

''نورِ آزادی'' کے عنوان سے ایک طویل نظم بھی کتاب کا حصہ ہے جس میں کشمیر کے حُسن کے تذکروں سے لیکر اسکی تاریخِ لہولہان کا تذکرہ فنی باریکیوں کا خوب لحاظ کرتے ہوئے نظم کیا گیا ہے۔شیخ عبداللہ کے کردار کا تذکرہ یوں کرتے ہیں'

شیخ عبد اللہ کبھی ظلم و ستم ڈھاتا رہا
آستیں کا سانپ بن کر کوئی ڈس جاتا رہا
نت نئے انداز سے ہر ایک بہلاتا رہا
اپنی اپنی بانسری کے بول سنواتا رہا
وعدۂ فردا پہ کشمیری دغا کھاتے رہے

اپنے ہی اہلِ وطن سے ہر سزا پاتے رہے(۱۶)

جذبۂ آزادیٔ کشمیر کو یوں مہمیز دیتے ہیں؛

داستانِ عزم و ہمت خون سے تحریر ہو
خطۂ کشمیر کے پھر خواب کی تعبیر ہو(۱۷)

مرے کشمیر، جرأت کے پہاڑ، محاذِ جنگ بلا رہا ہے اور جذبۂ مستانہ میں آزادیٔ کشمیر کے متوالوں کو جگانے، برسرِ پیکر رکھنے اور شوقِ شہادت فزوں کرنے کیلئے گوہر ملیسانی اپنا فن زیرِ کار لاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ''شوقِ شہادت زندہ ہے'' اُن کی کتاب کا عنوان بھی ہے اور اسی عنوان سے اپنے ایک ترانے میں کشمیری ملت کے شوقِ شہادت کی عکاسی یوں کرتے ہیں؛

کشمیر کے مسلم جاگے ہیں اور شوقِ شہادت زندہ ہے
ہر پیر و جواں کے جذبے میں اسلاف کی جرأت زندہ ہے

چنانچہ تمام ظلم وستم کے باوجود کشمیریوں کی اسلام کے ساتھ چاہت زندہ ہے جو بالاخران کی آزادی کی نوید ہوگی۔

کشمیر کے زندہ باشندے، جسموں پر داغ سجاتے ہیں
آزادیٔ گلشن کی خاطر سر اپنے روز کٹاتے ہیں
اور جامِ شہادت پیتے ہیں، جرأت سے خون بہاتے ہیں
اس ظلم وستم کے عالم میں اسلام کی چاہت زندہ ہے
اب شوقِ شہادت زندہ ہے(۱۸)

ii- متفرق نظمیں وترانے:

مسئلۂ کشمیر پر اردو میں منظوم مزاحمتی ادب کی ایک جھلک مندرجہ ذیل جائزے سے سامنے آئے گی جس میں پاکستانی کے شعراء کے مختلف اوقات میں کہے گئے ترانوں اور نظموں کا تذکرہ ہے۔

آغا شورش کاشمیری: آغا عبدالکریم المعروف شورش کاشمیری ہفت روزہ چٹان لاہور کے ایڈیٹر، نہایت جوشیلے قلم کار اور شاعر تھے اور بقول ظہیر کاشمیری ان کی جبلی صلاحیتیں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ظفر علی خاں اور چودھری افضل حق جیسے عبقری دماغوں کے حلقے میں پروان چڑھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف وہ مرصع نثر نگار، پرگو شاعر اور شعلہ نوا خطیب تھے تو دوسری طرف ساری عمر محاذِ آزادی کے ہراول دستے میں شامل رہ کر دادِ شجاعت دیتے رہے۔ وہ شعر وادب اور سیاست دونوں میدانوں میں شہسواری کرنے کے باوجود کبھی بھی دوہری شخصیت کے حامل نہ رہے۔ ان کی تقریروں کی

نوک پلک، ان کے مترنم لفظوں کا زیر و بم اور ان کا تاثر آفریں اندازِ تخاطب بڑے بڑے ادیبوں کو شرما دیتا۔ جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں انہوں نے جنگی ترانوں اور نظموں سے قوم کے دلوں کو گرما کر رکھ دیا۔ اسی دور میں کشمیر پر ''محمد بن قاسم کا انتظار'' کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں؛

فغاں برلب ہیں ان حالات میں اس کے چنار اب تک
الٰہ العالمین! کشمیر ہے زار و نزار اب تک
اڑا کر لے گئے جن کونپلوں کو ہند کے سینک
محمد ابن قاسم کا ہے ان کو انتظار اب تک (۱۹)

جدو جہد آزادیٔ کشمیر میں خواتین کی بہادری اور دلیری کو سلام پیش کرتے ہوئے ''سری نگر کی بیٹیاں'' کے عنوان سے معروف نظم کہی۔

یہ لالہ فام بچیاں، یہ خوش خرام بچیاں، یہ نیک نام بچیاں یہ تیز گام بچیاں
سری نگر کی بیٹیاں
جہاد کی پکار ہیں حیا کا شاہکار ہیں بلا کی شہسوار ہیں بلوط ہیں چنار ہیں
سری نگر کی بیٹیاں (۲۰)

جوش ملیح آبادی: ''کمزور کو آسودگیٔ دل نہیں ملتی'' کے عنوان سے جوش ملیح آبادی اپنی ایک خوبصورت نظم میں کشمیر کے جوانوں کو ہمتِ مردانہ سے کام لینے پر ابھارتے ہوئے رقمطراز ہیں؛

اے جنت کشمیر کے بیدار جوانو!
اے ہمتِ مردانہ کے ذی روح نشانو!
سو بات کی یہ بات ہے اس بات کو مانو
بے غرق ہوئے کوئی ابھرتا ہی نہیں ہے
جو قوم پہ مرتا ہے وہ مرتا ہی نہیں ہے

اور دنیا کے اندر عزت سے جینے کا اصول یوں بتاتے ہیں؛

کمزور کو آسودگیٔ دل نہیں ملتی
جب تک نہ جلے شمع کو محفل نہیں ملتی
عزت کے خرابات میں پینے نہیں دیتی
دنیا کبھی نامرد کو جینے نہیں دیتی (۲۱)

ابوالاثر حفیظ جالندھری: پاکستان کے قومی ترانے کے خالق، قادر الکلام شاعر حفیظ جالندھری ''کشمیر کے جانباز'' کے عنوان سے اپنی نظم میں کشمیری مجاہدوں کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں؛

؎ وہ دیکھو وادئ کشمیر کے جانباز جاتے ہیں
ستارے اپنی آنکھیں جن کی راہوں میں بچھاتے ہیں

حفیظ جالندھری ''جو کہساروں پر جاری ہے وہ ساری جنگ ہماری ہے'' کے فلسفہ کی تشریح یوں کرتے ہیں؛

؎ یہی وہ ہیں جو ایماں کی خاطر جان دے دے کر
عدو کے آہنی پنجوں سے ہم سب کو بچاتے ہیں
زمانے بھر کی دولت ان کے اس ایثار پر قربان
یہ ہم پر ڈھال بن کر گولیاں سینے پہ کھاتے ہیں

اور اس نظم کے آخر میں شاعر خداوند قدوس سے یوں دست بدعا ہیں؛

؎ خداوندا ترے محبوب کی امت پہ حملہ ہے
تیری نصرت سے یہ غازی مجاہد فتح پاتے
ہیں(۲۲)

احمد ندیم قاسمی: احمد ندیم قاسمی نے کشمیر پر اپنی نظم کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں کشمیر کی بے خانماں اور لٹی پٹی صورتحال کا نقشہ کھینچا ہے؛

؎ ہر گل کی جبیں پُر شکن ہے — کشمیر لٹا ہوا چمن ہے
پھولوں نے چھپا رکھا ہے ورنہ — زخموں سے اٹا ہوا بدن ہے
جلتے ہوئے گھر چھنے ہوئے کھیت — ہر شخص وطن میں بے وطن ہے

دوسرے حصے میں اقوام متحدہ کے ادارے کی بے حسی کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے؛

؎ سنتے ہیں سمندروں کے اس پار — اقوام کی ایک انجمن ہے
آج اس کے اصول کے مطابق — ظالم ہے وہی جو خستہ تن ہے
حق بات تو خیر جرم تھا ہی — حق مانگنا بھی دوانہ پن ہے
سچ کہتی ہیں سب غریب قومیں — یہ بزم بھی بزمِ اہرمن ہے

اور تیسرے حصے میں قاسمی صاحب نے کشمیریوں کی حالیہ جدوجہد اور مزاحمت کو تاریخ کے ابواب کے پلٹنے سے تعبیر کیا ہے اور امید کی کرن دکھائی ہے؛

؎ تاریخ الٹ رہی ہے اوراق — کشمیر کی برف شعلہ زن ہے
تسلیم کہ ظالموں کے نزدیک — کشمیر دریدہ پیرھن ہے
کشمیر کی مفلسی میں لیکن — اب کیسا بلا کا بانکپن ہے
جو موت ہو زندگی کی خاطر — وہ زندگی کا کمال فن ہے(۲۳)

جعفر طاہر: جعفر طاہر ایک قادرالکلام اور ہفت زبان شاعر تھے۔ جب وہ شعر کہتے تو مختلف زبانوں کے الفاظ ہاتھ باندھے قطار در قطار اُن کے سامنے کھڑے نظر آتے اور وہ اپنی مرضی سے جسے چاہتے بطور بخشش استعمال کرتے۔ اُن کی اس خصوصیت کا اعتراف اس عہد کے نامور شعراء نے کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی جو ایام آزمائش اہل اقتدار ان کے ضیفِ دلنواز بھی رہے اُن کی اس خصوصیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں؎

''جعفر طاہر کے ذہن میں مترادفات کے دریا بند ہیں۔۔۔۔۔جعفر طاہر آن کی آن میں متبادل اردو، ہندی، فارسی اور عربی الفاظ کی قطاریں لگا دیتا تھا''۔

جعفر طاہر جھنگ کی سرزمین کے بلند آہنگ اور پُرگداز شاعر تھے۔ انہوں نے شاعری میں بڑے مشکل اور انوکھے تجربات بھی کیے۔ اردو میں وہ پہلے اور غالباً آخری کامیاب کینٹونویس ہیں۔ کینٹو (Canto) رزمیہ یا بزمیہ نظم کو کہتے ہیں جو غنائی انداز سے پیش کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ ن۔م۔راشد نے کینٹو لکھنے کی کوشش کی مگر وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوئے۔

جعفر طاہر کی وہ شاعری جو چھپ نہ سکی اُس کو ان کے ہمدم دیرینہ منظور سیال مرحوم نے جمع کر کے ''شاعر نہیں ساحر تھا وہ'' کے عنوان سے چھاپا، جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی شاعری جملہ اصناف کا احاطہ کرتی ہے، کہیں نظم آزاد، کہیں نظم معرّیٰ، کہیں غزل، کہیں مربعے، مخمس، مسدس، قطعہ، Odes، Epic اور کہیں ترکیب بند غرض تمام اصناف سخن کو بلا کی موسیقیت سے استعمال کیا گیا ہے۔ شاعر نے ''قصہ چہار درویش جدید'' میں چار درویشوں ہندوستان، چین، یونان اور کشمیر پر کینٹوز کہے ہیں۔ ان کینٹوز میں ان چہار درویش کی تہذیب وتمدن اور تاریخ کا عہد قدیم تا حال جائزہ خوبصورت انداز سے نظم کیا ہے، کشمیر پر ان کے بیشتر کینٹوز مرورِ زمانہ میں فنا کی نذر ہو گئے۔ تاہم دو کینٹوز دستیاب ہیں۔ ایک کینٹو شہنشاہ اکبر کی کشمیر آمد پر ہے اور دوسرا پری محل پر۔ پری محل ایک نہایت خوبصورت محل تھا جس کو ملکہ نورجہاں نے قصرِ گپکار سے کچھ فاصلہ پر جھیل ڈل کی مشرقی سمت ایک پُرفضا پہاڑی پر تعمیر کرایا تھا۔ چوتھے درویش یعنی کشمیر پر شاعر کے اگر تمام کینٹوز دستیاب ہوتے تو مجبور کشمیر کی موجودہ صورتحال پر شاعر کے خیالات سے آگاہی ہوتی۔ تاہم مذکورہ صدر دو کینٹوز میں حسنِ کشمیر کی تصویر کشی کیا خوب ہے؎

؎ فضاؤں کے سیم کار ہونٹوں پہ دُرفشاں کا منا کی لہریں
ہرے بھرے گنگناتے رمنوں کے درمیاں رنگ رس کی

نہریں

بنفشہ و بہرماں کی نازک مزاج بیلوں کی انجمن میں
مگن مگن سار کائیں جیسے شریر سکھیاکسی سگھن میں (۲۴)

شاعر نے اس کینٹو کے چودیں، پندرھویں اور سولہویں بند کونجانے کشمیر کی کس صورتحال کو ظاہر کرنے کیلئے لکھا تاہم یہ آج کے کشمیر کے منظر کے عکاس بھی ہیں۔ایک بند ملاحظہ کیجئے'

ے وہ ٹہنیاں جن کے چارسو بے کفن جنازے پڑے ہوئے
تھے
جنازے جن پر خزاں کے لانبے نکیلے ناخن گڑے ہوئے
تھے
وہ پتیاں جن کی ننھی لاشیں کہیں خلاؤں میں کھو چکی تھیں
وہ شبنمیں جوشعاعوں کی سولیوں پہ تھرّا کے سو چکی تھیں (۲۵)

جعفر طاہر نے اپنے اس چوتھے درویش ''کشمیر'' کا کینٹوز کے علاوہ بھی کئی نظموں میں جاندار تذکرہ کیا ہے۔ان کی ایک نظم ''اے وادئ کشمیر'' میں جہادِ آزادی کے حوالے سے اُن کا آہنگ ملاحظہ کیجئے

اے دولتِ جاں راحتِ دل خاکِ جگر گیر   ہے پیش تجھے معرکۂ دار ورسن آج
اے جلوہ گہِ نور جہاں خلدِ جہانگیر   ہے کتنی مبارک ترے ماتھے کی شکن آج
اے طور تجلی مہ و خورشید کی تنویر   ماتھے کی شکن سینۂ باطل میں ہے شمشیر
اے وادئ کشمیر اے وادئ کشمیر

پھر وہ ملتِ کشمیر کی بیداری اور ہمت انگیزی پر یوں محوِ طرب ہیں

اے ارض گہر خیز و گہر بار و گہرساز   صد شکر کر رندانِ گراں خواب ہیں بیدار
اللہ رے یہ ولولہ وہمتِ پرواز   صد شکر کہ میداں میں بہم ہوگئے احرار
دشمن کا جگر شق ہے جوسن کر تیری آواز   اک ہاتھ میں قرآن تو اک ہاتھ میں تلوار
گونجا ہے فضاؤں میں تری نعرۂ تکبیر   بے صید نہ رہ جائے کوئی تیغ کوئی تیر
اے وادئ کشمیر اے وادئ کشمیر

جعفر طاہر اپنی ایک دوسری نظم بعنوان ''اے جنت کشمیر'' میں مجاہدین کی بیداری پر یوں رقمطراز ہیں

صد شکر کر چھلکی ہے ترے دل کی
گلابی
ہونے کو ہے اب ختم تری خانہ خرابی
چیتے کا جگر، شیر کا دل، آنکھ عقابی
یہ تیرے مجاہد جو بدلنے کو ہیں تقدیر
اے　جنت　کشمیر(۲۶)

احمد فراز: احمد فراز کشمیر کی گل و لالہ و نسریں کی فردوس زمیں کے پھولوں کی جوانی، اس کے باغوں کی بہار، اس کی روانی، نظاروں کے حسن، کہساروں کی عظمت اور اس کے نغموں کی کی پھوار کے تزکرے کرنے کے بعد اس کی شعلہ بداماں اور جہنم بکنار صورتحال کا نوحہ یوں رقم کرتے ہیں

تیرے سینے پہ محلات کے ناسوروں نے
تیری شریانوں میں اک زہر سا بھر رکھا
ہے
تیرا ماحول تو جنت سے حسیں تر ہے مگر
تجھ کو دوزخ سے سوا وقت نے کر رکھا ہے
تجھ کو غیروں نے سدا دست نگر رکھا ہے

احمد فراز کی اس نظم کو سلیم ناز بریلوی نے اپنی خوبصورت آواز میں گا کر امر کر دیا ہے۔ اس میں شاعر کشمیر کی حالتِ امروز کو انقلاب کا پیش خیمہ کہتے ہیں

لیکن اب اے مری شاداب چناروں کی زمیں
انقلابات نئے دور ہیں لانے والے
حشر اٹھانے کو ہیں اب ظلم کے ایوانوں میں
جن کو کہتا تھا جہاں بوجھ اٹھانے والے
پھر تجھے ہیں گل و گلزار بنانے والے (۲۷)

حبیب جالب: حبیب جالب کشمیریوں کو حالیہ جدوجہد کو جاری رکھنے کا پیغام دیتے ہیں اور Now or Never کا فلسفہ سمجھا رہے ہیں:

یہ شعلہ نہ دب جائے یہ آگ نہ سو جائے
پھر سامنے منزل ہے ایسا نہ ہو کھو جائے
ہے وقت یہی یارو ہونا ہے جو ہو جائے
کشمیر کی وادی میں لہرا کے رہو پرچم
ہر جابر و ظالم کا کرتے ہی چلو سرخم(۲۸)

نعیم صدیقی: نعیم صدیقی ''بھڑکی ہوئی ہے آگ'' کے عنوان سے کشمیر کی شعلہ بداماں صورتحال کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

ٹیلوں کے آس پاس وہ غاروں کے درمیاں
بھڑکی ہوئی ہے آگ چناروں کے درمیاں
راہِ ظفر گزرتی ہے لاشوں کے درمیاں
جیسے یہ کہکشاں ہو ستاروں کے درمیاں
محصور کا شمیر کے ہیں زاعفران زار
شعلوں کے درمیان شراروں کے درمیاں
تم ڈھونڈتے ہو گنبد و محراب میں جسے
شاید ملے وہ خون کے دھاروں کے درمیاں(۲۹)

افتخار عارف: افتخار عارف کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں پہلے اکادمی ادبیات پاکستان کے چئرمین رہے اور آج کل مقتدرہ قومی زبان کے صدرنشین ہیں۔ کشمیر پر اپنی آزادنظم ''نوید'' میں کہتے ہیں

کشمیر! سرخ لہو سے لوحِ خاک پہ کھینچی ہوئی تحریر
مرے کشمیر! تری تقدیر
خوابوں کے سب رنگ، دعاؤں کے سارے آہنگ
زمانہ جان گیا، پہچان گیا

پھر وہ قوم کشمیر کو اس جدوجہد کے نتیجے میں آزادی کے سورج کی یقینی نوید یوں سناتے ہیں

وادی وادی، دریا دریا گم گشتہ خوابوں کے خزانے سے اک روشن دن نکلے گا
مٹی کی شادابی کا سیرابی کا دن
عزم، یقین، ایمان، کی سرفرازی کا دن

سورج جیسی پیشانی پر لکھا ہوا آزادی کا دن (۳۰)

امجد اسلام امجد: امجد اسلام امجد ''اے میرے کشمیر'' کے عنوان سے نظم میں یہی بات اپنے انداز میں کہتے ہیں

اے میرے کشمیر، اے ارض دلگیر
اپنے لہو سے تو نے لکھی جو روشن تحریر
بدلے گی اک روز اسی سے دنیا کی تقدیر
اے میرے کشمیر، اے ارض دلگیر (۳۱)

منظور احمد ڈیسوی: جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں مجاہدین، شہداء وانصار اسلام و پاکستان کے نام اپنی نظم ''سلامِ محبِ وطن'' میں کشمیر کے مجاہدوں کو یوں مخاطب کرتے ہیں

وادی کشمیر کے ان جاں نثاروں کو سلام
راہِ حق کے رہروان وجاں دہندوں کو سلام (۳۲)

منظور ڈیسوی نے ۱۹۹۱ء میں ''یواین او سے سوال'' کے عنوان سے ایک نظم کہی جس میں انہوں نے اقوام متحدہ کا بڑی طاقتوں کے ایماء پر مظلوموں اور کمزوروں کے ہر معاملے میں آنکھیں بند کرنے اور فرار کی پالیسی کو حرفِ تنقید بنایا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ کوریا اور کانگو وغیرہ کی مثالیں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سرزمین ِپاک کا اک مسئلہ کشمیر ہے
مسئلہ ہی وہ نہیں اک کوہِ عالم گیر ہے
ان مسائل کے دبانے سے تمہیں اب کیا ملا
کچھ نہیں تم کو ملا اور راز سارا کھل گیا (۳۳)

وہ اپنی شاعری میں مسلمانانِ عالم کو سنبھلنے کا درس دیتے ہیں اور بے کار کاموں کو چھوڑ کر اپنی ابتری کو درست کرنے پر ابھارتے ہیں۔ نظم ''چھوڑ دے تو سارے راگ ورنگ میں'' مسئلہ کشمیر کا بالکل ابتداء میں ذکر کرتے ہیں:

کشمیر پہ دشمن قابض ہیں اور حال تیرا ہے اب ابتر
کیوں نام نہیں اب لب پر جونا گڑھ اور مناودر
غفلت میں رہا منظور اگر نہیں بچے گا تیرا در
کل عالم اسلام کی جو امیدوں کا ہے محور
چھوڑ تو سارے راگ ورنگ بھڑک رہا ہے شعلۂ جنگ (۳۴)

ناصر نظامی: ناصر نظامی کا عالمی اداروں کی بے حسی پر احتجاج کا تذکرہ فلسطین پر ان کے اشعار کی صورت میں قبل

ازیں ہو چکا ہے۔اس کے نزدیک یہ ادارے کشمیر کے مسلمانوں کے دکھ درد کو تو بالکل محسوس ہی نہیں کرتے۔وہ ہندوستان کے اندر آسام اور دیگر علاقوں کے مسلمانوں کے مصائب اور ان پر عالم اسلام سمیت دیگر اقوام کی خاموشی اور بے حسی پر بھی احتجاج کرتا ہے۔آسام میں قتل عام کے دوران ۱۹۸۱ء کی دہلی (انڈیا) میں غیر جانب دار ملکوں کی کانفرنس کے ایجنڈے پر وہ اپنے احساس کا یوں اظہار کرتا ہے:

دھڑکا نہ کوئی دل نہ کوئی آنکھ ہی بھیگی
دہراتا رہا کوفے کے افسانے کو آسام
ہوتی رہی ہمسائے میں بے جانبی مجلس
بیٹھے رہے سب اہل حرم باندھ کے احرام (۳۵)

معروف کشمیری حریت پسند مقبول بٹ شہید کے نام اپنی نظم ''مقبول'' میں یوں رقمطراز ہے:

کٹتا ہے کٹے شوق سے سر غم نہیں ہوگا
لیکن یہ کسی در پہ کبھی خم نہیں ہوگا
اس قوم کو آزادی کی نعمت نہ ملے گی
جس قوم میں کٹ مرنے کا دم خم نہیں ہوگا
دیتی ہے تیرے خون کی ہر بوند گواہی!!
کشمیر کسی اور میں اب ضم نہیں ہوگا
زاغ وزغن ہند کا غوغا نہ رہے گا
مقبول کے نغمے کا اثر کم نہیں ہوگا(۳۶)

''کشمیر'' کے عنوان سے نظم میں تو ناصر نظامی کے جذبات حریت اپنے اوج پر ہیں جو قاری میں ایک عزم صمیم پیدا کرتے ہیں اور پُر امید مستقبل کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے:

عدو کے قبضے سے کشمیر کو چھڑائیں گے
جہاں کے نقشے میں نقشہ نیا اٹھائیں گے
بہت قریب ہیں دن غاصبوں کی پرسش کے
حساب ظلم کا گن گن کے ہم چکائیں گے
وہ اپنے جبر و تشدد کے آزمائیں گر
ہم اپنے ضبط وتحمل کو آزمائیں گے

اُٹھا کے ہاتھ میں حق ارادیت کے علَم
بڑھیں گے جانب منزل نہ ڈگمگائیں گے
انہی کے نام رہیں گے جہاں میں زندہ
وطن کی لاج کی خاطر جو سر کٹائیں گے(۳۷)

اسد ملتانی: اسد ملتانی ۱۹۰۲ء میں ملتان کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ایک متحرک صاحب الرائے اور سرکاری افسر رہے۔ان کے کلام کو نوجوان محقق سید شوکت علی بخاری نے یکجا کیا ہے اور تینتیس صفحات پر مشتمل مقدمہ میں ان کے حالات کی مفصل تحقیق پیش کی ہے۔بقول احسان دانش ''وہ سرکاری ملازم تھے مگر ان کے دل میں اکبرالہ آبادی کی طرح قوم اور ملک کا درد تھا۔'' انہوں نے کئی اہم قومی موضوعات پر نظمیں کہیں۔ایک عجیب لطیفہ ہے کہ اسد ملتانی قرآن کے ساتھ ساتھ سنت کو بھی قانونِ اسلامی کا منبع قرار دیتے تھے پھر بھی ان کی نظمیں ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع ہوتیں۔ چنانچہ نومبر ۱۹۴۸ء میں انہوں نے ''جناح و اقبال'' کے عنوان سے نظم کہی جو ''طلوع اسلام'' میں شائع ہوئی اس میں قائد اعظم کی وفات کے بعد ان کا فردوس میں داخل ہونا اور اقبالؒ کا ان کے استقبال کو آنا، بغلگیری اور مبارکبادی کے بعد حالِ اُمتِ مسلمہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کے اتحاد اور فرنگی سازشوں کو سمجھنے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر قرآن و سنت کے مطابق اسلامی نظام کے نفاذ کا یوں ذکر کرتے ہیں:

رکھ کے یہ قرآن و سنت کو سامنے لائے   اس معیار پر افکار اور اعمال کو
جلد پاکستان میں جاری ہو اسلامی نظام   تاکہ اطمینان حاصل ہو دلِ اقبالؒ کو(۳۸)

اس نظم کے معاً بعد ''وادی کشمیر'' کے عنوان سے اُن کی ایک خوبصورت نظم ملاحظہ ہو:

تو ہے کرۂ ارض پہ فردوس کی تصویر
کفار تجھے کر نہیں سکتے کبھی تسخیر
جس فوج پہ نازاں ہیں بہت ہند کے نازی
اس فوج سے لے جائیں گے بازی ترے غازی
باطل کی وہ چلنے ہی نہ دینگے کوئی تدبیر
اسلام سے وابستہ رہے گی تری تقدیر
ــــــــــــــــــــــ اے وادی کشمیر(۳۹)

طفیل ہوشیارپوری: طفیل ہوشیار پوری کا نام اردو ادب اور بالخصوص شاعری کے میدان میں بہت معروف ہے۔بالخصوص فلمی دنیا میں ان کے گانوں نے ایک زمانے میں دھوم مچادی تھی۔''اے چاند اُن سے جا کر میرا اسلام کہنا''

اور ''واسطہ ای رب داتوں جاویں وے کبوترا'' جیسے لازوال شہرت کے حامل گیتوں کے خالق طفیل ہوشیار پوری ہی تھے۔ جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں جہاں پاکستانی معاشرے کے ہر طبقہ فکر نے دفاعِ پاکستان اور آزادی کشمیر کے حوالے سے اپنا حصہ وافر ادا کیا وہیں شو بزنس کی دنیا نے اپنے محاذ پر زبردست جنگ لڑی۔ اسی زمانے میں کشمیر کے پس منظر میں کسی فلم میں یہ سدا بہار تکنیکی وفنی باریکیوں سے بھرپور اور سامع کی دل کی دنیا کو تہہ وبالا کر دینے والا گیت منظر عام پر آیا:

ظلم رہے اور جنگ بھی ہو کیا ممکن ہے؟ تم ہی کہو

بہر طور اسی دور میں طفیل ہوشیار پوری نے کشمیر پر نہایت ہی پر جوش اور ولولہ انگیز نظم کہی۔ اسی نظم کو خاکسار نے پیرہن صوت وآہنگ دے کر ایک عرصہ تک اپنا اور مختلف محافل کا دل گرمائے رکھا۔ نظم ملاحظہ ہو:

اے وادیٔ کشمیر اے وادیٔ کشمیر
اب بن کے رہے گی تیری بگڑی ہوئی تقدیر
اللہ کا فرمان ہے ایمان ہمارا ہم سے تو یہی کہتا ہے قرآن ہمارا
جنت کبھی ہو سکتی نہیں کفر کی جاگیر اے وادیٔ کشمیر اے وادیٔ کشمیر
ٹینکوں کا خطر لشکرِ کفار کا ڈر کیوں اسلام کو ہو کفر کی یلغار کا ڈر کیوں
اسلام کے ہاتھوں میں ایمان کی جاگیر اے وادیٔ کشمیر اے وادیٔ کشمیر
کچھ فکر نہیں خون کے دریا جو بہیں گے ہم کفر کے طوفان سے ٹکرا کے رہیں گے
توڑیں گے تیرے پاؤں سے ہر ظلم کی زنجیر اے وادیٔ کشمیر اے وادیٔ کشمیر
فردوس در آغوش نظاروں کی قسم ہے ہم کو تیری معصوم بہاروں کی قسم ہے
نکلے گی درخشاں تیرے ہر خواب کی تعبیر اے وادیٔ کشمیر اے وادیٔ کشمیر
ظالم کا جہاں زیر و زبر ہو کے رہے گا مظلوم کی آہوں کا اثر ہو کے رہے گا
گونجے گا فضاؤں میں تیری نعرۂ تکبیر اے وادیٔ کشمیر اے وادیٔ کشمیر(۴۰)

سُرور انبالوی: سُرور انبالوی نے کشمیر اور اہلِ کشمیر کے مصائب پر بہت لکھا۔ اپنی ایک نظم ''مجاہدینِ کشمیر کے نام'' میں کشمیر کے مردانِ حریت کے جذبوں اور مردانہ وار یلغار کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے نتیجے میں نزدیک دکھائی دینے والی صبح آزادی کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

عطا ہوئی ہے تمہارے دم سے ظلمتوں کو روشنی تمہارے سوز وقلب سے گلوں نے پائی تازگی
جہاں تمہارا خوں گرا وہاں چمن چمن کھلے ہزار آفتاب اُٹھے ہوئی جہاں میں روشنی

مجاہدینِ کشمیر کی جدو جہد کے کامیابی سے ہمکنار ہونے کے حوالے سے اپنے عزم ویقین کا یوں اظہار کرتے ہیں:

یقیں ہے لوٹ آئے گی بہار باغ و راغ میں　　　لئے ہوئے وہ نکہتیں، وہ بانکپن وہ تازگی
وطن کے ذرہ ذرہ سے اُٹھیں گے آفتاب پھر　　　روش روش چمن چمن بہار لوٹ آئے گی

''اے وادیٔ کشمیر'' کے عنوان سے ایک نظم میں تو شاعر کا فن حسنِ کشمیر کی تصویر کشی میں اپنے عروج پر ہے، ایک بند ملاحظہ ہو:

شہکار ہے قدرت کا تو جنت کی ہے تصویر　　　پھیلی ہے زمانے میں ترے حسن کی تنویر
گلزارِ ارم کہیے کہ عکسِ رُخِ جاناں　　　ہے تیری فضاؤں میں عجب کیف کی تاثیر
اے وادیٔ کشمیر

پھر اس حسنِ درخشاں کو پابہ زنجیر کرنے والے عدو کی خون آشامی، وادی کا خون رنگ ہونا اور مجاہدین کی تکبیر کے نعروں تلے جاری جو جہد کو دلآویز پیرائے میں نظم کرنے کے بعد اس خوبصورت نظم کا یوں اختتام کرتے ہیں:

جاں رکھ کے ہتھیلی پہ اُٹھے تیرے جیالے　　　کیا ان کو ڈرا سکتے ہیں یہ تیغ یہ بھالے
ہر گام اُگائیں گے یہی خون سے لالے　　　آزادی کی پھیلے گی ہر اک قریہ میں تنویر
اے وادیٔ کشمیر(۴۱)

اکرم باجوہ: اکرم باجوہ کا تعلق چونکہ پاک آرمی کی تعلیمی کور سے رہا جس کے فرائض میں جوانوں کے جوش و جذبہ اور عمومی مورال کا بڑھانا بھی ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے اردو کلام میں کئی غزلیات میں بالعموم کشمیر و جہادِ کشمیر پر باکمال شعر کہے۔ تاہم اپنے اردو کلام کی بیاض کے سرقہ پر وہ ادبی رہزنوں سے شکوہ کناں ہیں کہ نہ تو وہ اسے منظرِ عام پر لاتے ہیں اور نہ ہی انہیں لوٹاتے ہیں۔ پاک آرمی کے ''مجلہ الجہاد'' میں ان کی ایک نظم ۱۹۸۵ء میں ''اے میرے کشمیر'' کے عنوان سے چھپی۔ لاجواب پیرایہ، الفاظ و تراکیب کا خوبصورت چناؤ اور جڑاؤ اور کشمیر کے دلفریب نظاروں کی نہایت موزوں تصویر کشی ملاحظہ کیجئے:

خلد بریں کے عکسِ حسیں، رخشاں تاریخ کے باب
پاکستان کی شہہ رگ ہے تو اور اک ایسا خواب
جس کی اِک اِک لڑی بنے گی تابندہ تعبیر
اپنی لیکھ لکیر
اے میرے کشمیر ـــــــ اے میرے کشمیر
تیرا ہر نظارہ طُرفہ، ہر منظر ہے خوب
تو ہے میرے پیار کی دنیا ان دیکھا محبوب

ناچ رہی ہے میری آنکھوں میں تیری تصویر
جنت کی توقیر
اے میرے کشمیر ـــــــ اے میرے کشمیر

اسی طرح دیگر اشعار میں کشمیر کے حسن کی توصیف کے بعد پھر شاعر کشمیر کی آزادی کیلئے اپنے لہو کے نذرانے پیش کرنے کا عزم صمیم کچھ یوں ظاہر کرتا ہے:

اپنے لہو سے مانگ میں تیری جلد بھریں گے افشاں
تیری جانب ہم آئیں گے ۔ اپنا ہے یہ ایماں
تیری سرحد پر گونجے گی پھر صوتِ تکبیر
ٹوٹے گی زنجیر
اے میرے کشمیر ـــــــ اے میرے کشمیر(۴۲)

مطلوب علی زیدی مطلوب: مطلوب علی زیدی کے دیوان ''صبوحی'' میں کشمیر پر کئی نظمیں موجود ہیں۔ تاہم کشمیر سمیت عالمِ اسلام کے دیگر مسائل مطلوب کا عمومی موضوع ہیں۔ اسی لیے تو وہ اپنی فکاہیہ نظم یو۔این۔او میں جہاں اس کو امریکہ کے گن گانے والی ڈائن قرار دے کر عالم اسلام کے ممالک پر سامراجی غارت گریوں پر اس کی بے حسی پر تنقید کرتے ہیں، وہیں وہ کشمیر پر اس کے کردار کو یوں بیان کرتے ہیں:

بیچارہ کشمیر تو اس کو سوتیلا ہی لگتا ہے
اس پر کوئی آفت آئے، اندھی یہ بن جاتی ہے(۴۳)

صبوحی کے لمعۂ ہفتم میں کشمیر پر پانچ نظمیں مختلف بحروں میں موجود ہیں۔ پہلی نظم ''وادیٔ کشمیر'' میں شاعر کشمیر کو ایک ستم رسیدہ ماں کے روپ میں دکھاتا ہے جس کے گھر کا موسم سونا سونا ہے، جس کا چولہا آج ٹھنڈا ہے اور جس کے سر میں خاک ہے، شاعر کہتا ہے:

اس کے بیٹے گھر سے گئے تھے، خوں میں نہائے آئے ہیں
''یہ تو بتاؤ سُرخ یہ جوڑے، کس نے تمہیں پہنائے ہیں؟''
ہر اک لاش کا بوسہ لیکر روتی، کہتی جاتی ہے!
''کیا کھاؤ گے؟ کیا پینا ہے؟'' اور آنسو برساتی ہے
کس نے جلائیں پلکیں، آنکھیں بدن کو پیٹا، کاٹا ہے؟

پھر شاعر، جاں بلب زخمی بیٹوں کا ماں سے بہن کے بارے میں استفسار اور ماں کا جواب نظم کرتا ہے جو مسلمان بیٹوں

کی غیرت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے:

یہ تو بتاؤ پیاری اماں، بہن کہاں پر بیٹھی ہے؟
ہم سے کیوں ملنے نہ آئی؟ آج بھلا کیوں روٹھی ہے؟
''بیٹا تیری بہن کو ظالم لالہ نے تڑپایا ہے''
سر کی چادر کو لوٹا ہے، آنچل کو جھلسایا ہے(۴۴)

اس سے اگلی نظم بھی ''وادیٔ کشمیر'' کے عنوان سے ہے جس میں شاعر کشمیر سے آنے والے دریائے چناب سے مخاطب ہو کر کشمیر کا حال پوچھتا ہے تو وہ جواباً کہتا ہے میں کس طرح کشمیر کی داستانِ خونچکاں سناؤں کہ اس جنت کے سبزہ وگل کو جلا کر اہل نار نے اسے جہنم بنا دیا ہے۔شاعر کہتا ہے:

سسکیاں بھرتی ہوئی چلتی ہے، اب بادِ صبا
کہساروں کو تو رنج و غم سے سکتہ ہو گیا
دلبری اور حسن و شوخی کی ادائیں کھو گئیں
موت کی آغوش میں وادی کی پریاں سو گئیں

آگے چل کر شاعر مسلمانوں کی سوئی غیرت کو جگانے کی چناب کی زبانی یوں کوشش کرتا ہے:

کیوں کوئی قاسم پہنچتا ہی نہیں فریاد ہے!
ڈاکوؤں کے ظلم سے، ہر ایک گھر برباد ہے
اے مسلمانو! بتاؤ تو اخوت کیا ہوئی؟
بھائیوں سے وہ محبت، وہ مروت کیا ہوئی؟(۴۵)

اس سے اگلی نظم ''کاشمیر'' میں مطلوب علی زیدی اس یاسمین ولالہ زار، گل بداماں کشمیر جنت نظیر کے پُر کیف نظاروں کی موجودہ اجڑی صورتحال پر اسے تسلی دیتے نظر آتے ہیں۔اور ''جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ'' کے مصداق اس کی جلد آزادی کی نوید سناتے ہیں۔اسی طرح ''کشمیر'' کے عنوان سے چوتھی نظم میں موجودہ صورتحال کو دردناک شعروں کا جامہ پہنایا ہے۔اس سلسلے کی آخری نظم ''اختتام ہفتہ کشمیر'' میں تو ہماری کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی کے مظاہروں کیلئے ایّام اور ہفتوں کو منانے کے انداز پر شاعر کیسی بلا کی تنقید کرتا ہے:

ہفتۂ کشمیر کا تو ہوگیا اب اختتام
لکھ چکے مضمون و نظمیں، پڑھ چکے اپنا کلام
اب ذرا کشمیر کی صبحِ قیامت دیکھیے

بن سکا ہے نعرہ بازی سے بھلا کوئی کام (۴۶)

لمعۂ نہم میں ''کشمیر کی شہزادی'' کے عنوان سے ایک آزاد نظم بھی موجود ہے جس میں کہسار کے دل کی رونق حسین وادیٔ کشمیر کو دیارِ پربت کی شہزادی کے روپ میں دکھایا گیا ہے اور پھر اس کے لب ورخسار اور غازہ وزلف کا تذکرہ کر کے اس اداس، تنہا، نڈھال وبیکل شہزادی کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

جو سر پہ چادر تھی چھن چکی ہے
وہ ننگے پاؤں کھڑی ہوئی ہے
جو جمع پونجی تھی لٹ چکی ہے
وہ کل جو آنگن میں چاند اترا تھا، کھو گیا ہے
زمیں میں روپوش ہو گیا ہے (۴۷)

پروفیسر عنایت علی خان: پروفیسر عنایت علی خان اردو ادب میں طنز ومزاح نگار کے طور پر معروف ہیں۔ ان کی مزاحیہ غزلوں ''ذرا یہ ورلڈ کپ ہولے تو اس کے بعد دیکھیں گے'' اور ''ہم لائے ان کو راہ پر مذاق ہی مذاق میں'' نے مقبولیت کی انتہائی حدوں کو چھوا ہے۔ تاہم یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ ایک انتہائی سنجیدہ شاعر ہیں۔ بقول ان کے انہوں نے کبھی مزاح نہیں کہا ہے وہ تو سچائی بیان کرتے ہیں۔ اور یہ سچ بھی ہے انہوں نے ہماری معاشرتی زندگی کی ناہمواریوں کو اتنے خوبصورت انداز میں ایسے پیرائے میں ظاہر کیا ہے کہ ان کو پڑھ کر پہلے تو ہنسی آتی ہے اور قاری ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے اور پھر اگر دلِ حساس اس کے پاس ہو اور وہ اس پر مزید غور کرے تو ان تلخ حقائق پر اس کی چیخ نکل جاتی ہے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتا ہے۔

پروفیسر عنایت علی خان نے، حمد ونعت، نظم وغزل، قطعہ اور ترانہ وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی شاعری کے موضوعات میں امتِ مسلمہ کے مسائل پر اظہارِ خیال شامل ہے۔ انہوں نے عالمِ اسلام کے تقریباً سبھی مسائل زدہ علاقوں اور ممالک پر اپنے احساسات کو شاعری کا جامہ پہنایا ہے۔ ان کے کلیات ''عنایتیں کیا کیا'' میں کشمیر پر کئی نظمیں موجود ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر ''مجاہدوں کے قافلے'' کے عنوان سے ایک ترانہ لکھا جس کا ایک بند ملاحظہ ہو:

بڑھے چلو! بڑھے چلو! مجاہدانِ صف شکن
تمہارے انتظار میں ہے کاشمیر کا چمن
وہ جھیل ڈل کی دلکشی وہ شالامار کی پھبن
وہ دلفریب مرغزار وہ حسین وادیاں
مجاہدوں کے قافلے ہیں ہر طرف رواں دواں (۴۸)

''کشمیر کے جنت بننے میں'' کے عنوان سے ایک نظم میں جبر کے فلسفے اور جابروں کی دلیل کا جواب تاریخ کے آئینے میں دیتے ہیں۔:

ہر جابرِ وقت سمجھتا ہے بُرّاں ہے مری شمشیر بہت
پھر وقت اسے سمجھاتا ہے بودی تھی تری تدبیر بہت
اس آگ میں گرنے والوں کے کہتے ہیں براہیمی تیور
کشمیر کے جنت بننے میں ممکن ہی نہیں تاخیر بہت
تم تیغ و تفنگ پر نازاں ہو مظلوم کی آہ کو کیا جانو!
یہ برق کی صورت گرتی ہے اس آہ میں ہے تاثیر بہت (۴۹)

حسن المرتضیٰ خاور:　　حسن المرتضٰے خاور اصلاً تو ضلع جھنگ سے تعلق رکھتے تھے تاہم پھر پنجاب کے دور افتادہ ضلع رحیم یار خان میں مستقلاً آباد رہے۔ایک راست فکر شاعر تھے غالباً ملکی سطح پر شعراء کے حلقوں میں زیادہ متعارف نہ ہو سکے تاہم وہ بڑے توانا اور پختہ لہجے کے شاعر تھے۔وہ شاعری پر کئی کتب کے مصنف تھے مثلاً متاعِ کارواں ،نغمات جہاد، اسلام کی فریاد وغیرہ مگر ہمیں اُن کی صرف ایک کتاب ''نغماتِ حرم'' مل سکی۔''کشمیریوں کی فریاد'' کے عنوان سے حسن المرتضیٰ خاور نے ایک نظم کہی۔جس میں ملت پاکستان کو پکارا گیا ہے۔یہ نظم جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء میں آزاد کشمیر ریڈیو سے نشر ہوئی:

تمھیں کشمیر کی مظلوم ماؤں نے پکارا ہے
تمھیں جموں کے بچوں کی دعاؤں نے پکارا ہے
تڑپتے ہیں ہمارے غم میں سینے کوہساروں کے
بہر سولاشے بکھرے ہیں صداقت کیش پیاروں کے

اس زبردست نظم کے آخری شعر میں شاعر فتح کی نوید یوں سناتا ہے:

یہ دورِ ظلم و استبداد خاورؔ بیت جائے گا
ستم گا روسنو! مظلوم آخر جیت جائے گا (۵۰)

اصغر عابد:　گذشتہ سطور میں کئی طویل نظموں کا تذکرہ ہوا۔اصغر عابد کی مثنوی کشمیر نامہ ایک مہتم بالشان طویل نظم ہے جس میں حریت کی فخر آدم وانسانیت کہانی بیان کی گئی ہے کہتے ہیں:

یہ ستم کی داستانِ پُر الم
جس کو لکھتے تھر تھراتا ہے قلم

اصغر عابد کی یہ طویل نظم تین صد تینتیس اشعار پر مشتمل ہے جس میں کشمیر کے سودے کا تذکرہ کچھ یوں ہے:

اس شب تاریک میں کیا کیا ہوا
ایک زندہ قوم کا سودا ہوا
بے گناہوں کو سزا یوں دی گئی
وادیٔ حسن و وفا بیچی گئی
وہ پچھتر لاکھ ہوں یا پون ارب
حرص کے آفاق کے اپنے ہیں ڈھب

اس داستانِ دلخراش کے ہر باب سے شاعر نہایت پرزور انداز میں احتجاج کی زبان استعمال کرتے ہوئے پردے اٹھاتا چلا جاتا ہے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے کردار اور ریڈ کلف کی دھوکہ بازی کا یوں پردہ چاک کرتا ہے:

مونٹ بیٹن کی وہ کارستانیاں
ہندوؤں کی بن گئیں من مانیاں
کر گیا تقسیم وہ کشمیر کو
بن کے کیدو مار ڈالا ہیر کو
ریڈ کلف کی دھوکہ بازی کا یہ جال
رُوسیاہی میں رہے گا بے مثال

کشمیر کی موجودہ صورتحال کی عکاسی کچھ یوں کی گئی ہے:

آج ہے کشمیر میں آہ و فغاں
ہر طرف سے اٹھ رہا ہے اک دھواں
انتشار اور ابتری کا راج ہے
زندگی مفلوج ہے بے لاج ہے

اصغر عابد اپنی اس عالی شان مثنوی جو کہ اب تک کی اس سلسلہ کی نظموں میں سب سے طویل ہے کے اختتامی اشعار میں یوں گویا ہوتے ہیں:

چند یہ اشعار جو لکھے گئے
زائچے کشمیر کے کھینچے گئے
یہ جو لکھی مثنوی کشمیر کی

دردِ دل کی اصل میں تشہیر کی(۵۱)

سید محمد جعفری: سید محمد جعفری اپنی نظم یو این او میں اقوام متحدہ کے ادارے کی کشمیر کے سلسلہ میں بے حسی اور دوہرے معیار کا پیرہن چاک کرتے ہیں

کتنا اچھا فیصلہ کرتا رہا کشمیر کا
''کاغذی ہے پیرھن ہر پیکر تصویر کا''
ڈالیے اس کے گزشتہ کارناموں پر نظر
وادیٔ کشمیر کے قبضہ کو ٹالا کس قدر(۵۲)

دیگر شعراء: عزیز حاصلپوری ''اے وادی کشمیر'' کے عنوان سے اپنی نظم میں یوں اپنا عزم ظاہر کرتے ہیں

دشمن کے شکنجوں سے چھڑائیں گے تجھے ہم
ظالم کے مظالم سے بچائیں گے تجھے ہم
کاشانۂ فردوس بنائیں گے تجھے ہم
تو کس لیے دل گیر ہے؟ تو کس لیے دل گیر
اے وادیٔ کشمیر(۵۳)

انجم رومانی گنجنگ انڈیا میں کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ قرار دینے کے راگ کو نشانۂ تنقید بناتے ہیں تو شان الحق حقی مجاہد کشمیر کی جنگ میں جھٹ سے شریک ہوجانے کی خواہش کا اظہار اشعار کی صورت میں کرتے ہیں۔ظہیر کاشمیری آج کے کھیل کے عنوان سے دنیا کی تاریخ میں مسلمانوں کے غیرت ناک کارناموں کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتے ہیں:

آج وادی کی بہاروں نے پکارا ہے ہمیں
آج چشموں نے چناروں نے پکارا ہے ہمیں
آج گلبار نظاروں نے پکارا ہے ہمیں
ہم ہیں کشمیر کے ہر سرو وسمن زار کے ساتھ
آج کا کھیل رہے برش تلوار کے ساتھ(۵۴)

سید عارف نے کربلائے کشمیر، عائشہ مسعود نے کشمیر: آگ میں جلتے جگنو اور آل عمران نے اے لختِ خلد ارض کاشمیر میں یہی مضامین اپنے اپنے انداز میں دہرائے ہیں۔

اعجاز رحمانی کو بجا طور پر شاعرِ کشمیر کہا جاتا ہے۔اسی حیثیت سے وہ کشمیر کے حوالے سے منعقدہ بین الاقوامی کانفرنسوں میں شریک ہوئے۔کشمیر پر ان کی نظموں کا مجموعہ ''لہو کا آبشار'' کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔

اردو زبان میں کشمیر پر زیرِ نظر منظوم مزاحمتی ادب کی وجہ سے پاکستانی معاشرے پر بہت دور رس اثرات مرتب ہوئے ہیں، مثلاً اس سے پاکستانیوں میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی، سامراجی قوتوں کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوا نیز اخوت اسلامی کا جذبہ فزوں تر ہوا۔ اس طرح ایک طرف جہاں قومی شعور بیدار رہا، وہیں اہلِ وادی میں آزادی حاصل کرنے کے رجحانات بھی پروان چڑھے۔

مراجع وحواشی

(۱) ارمغان حجاز، درکلیات اقبال، ادارہ اہل قلم، لاہور، ص ۴۵۔۶۰

(۲) سروادیٔ کشمیر، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۲۳۔۲۴ (۳) ایضاً، ص ۴۶ (۴) ایضاً، ص ۵۰۔۵۱

(۵) ایضاً، ص ۵۶ (۶) ایضاً ص ۱۵۵۔۱۶۱

(۷) جنگ جاری ہے، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، جولائی، ۲۰۰۰ء، ص ۱۴۔۱۷ (۸) ایضاً، ص ۲۰

(۹) ایضاً، ص ۲۵۔۲۷ (۱۰) ایضاً، ص ۸۱ (۱۱) ایضاً، ص ۱۰۴۔۱۰۷ (۱۲) ایضاً، ص ۱۱۷

(۱۳) ایضاً، ص ۱۳۹ (۱۴) ایضاً، ص ۲۰۰

(۱۵) شوقِ شہادت زندہ ہے، گوہر پبلکیشنز صادق آباد، نومبر ۱۹۹۳ء، ص ۱۲۔۱۴ (۱۶) ایضاً، ص ۱۵۔۲۶

(۱۷) ایضاً، ص ۲۷ (۱۸) ایضاً، ص ۳۱۔۳۴ (۱۹) الجہاد والجہاد، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۸۴، ۸۵

(۲۰) ایضاً، ص ۹۱، ۹۲

(۲۱) تحریک آزادیٔ کشمیر: اردو ادب کے آئینے میں، مرتب، فتح محمد ملک، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۲۷۱۔۲۷۲

(۲۲) ایضاً، ص ۲۷۳ (۲۳) ندیم کی نظمیں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱/ ۴۵۹۔۴۶۲

(۲۴) پری محل، شاعر نہیں ساحر تھا وہ، مرتب منظور سیال، یوسف اسحاق پرنٹرز ملتان، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۹۷ (۲۵) ایضاً، ص: ۳۰۱

(۲۶) تحریک آزادیٔ کشمیر: اردو ادب کی آئینے میں، ص ۲۸۴۔۲۸۶ (۲۷) ایضاً، ص ۲۷۷۔۲۷۸

(۲۸) ایضاً، ۲۷۹، ۲۸۰ (۲۹) ایضاً، ص ۲۸۲۔۲۸۳ (۳۰) ایضاً، ۲۹۲

(۳۱) ایضاً، ص ۲۹۵۔۲۹۶ (۳۲) انقلاب انقلاب، رہبر پبلشرز اردو بازار کراچی، ۱۹۹۵ء، ص۔۵۶

(۳۳) ایضاً، ص۔۳۷ (۳۴) ایضاً، ص۔۷۷ (۳۵) صلیب گر، اسٹڈی سرکل، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص۔۴۶

(۳۶) ایضاً، ص۔۴۹ (۳۷) ایضاً، ص۔۵۱ (۳۸) کلیات اسد ملتانی، سرائیکی ریسرچ سنٹر BZU ۲۰۰۴ء، ص: ۱۲۹

(۳۹) ایضاً (۴۰) ماہنامہ ہمقدم، لاہور، ماہ ستمبر، ۱۹۸۶ء (۴۱) غیر مطبوعہ کلام، درخط بنام راقم

(۴۲) درخط بنام راقم (۴۳) صبوحی شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرائیویٹ لمیٹیڈ پبلشرز لاہور ۱۹۹۷ء، ص۔۴۴۸

(۴۴) ایضاً ص۔۳۰۱۔۳۰۵ (۴۵) ایضاً، ص: ۳۰۶۔۳۰۸ (۴۶) ایضاً، ص: ۳۱۰۔۳۱۲

(۴۷) ایضاً، ص: ۳۷۹۔۳۸۰ (۴۸) عنائتیں کیا کیا، منشورات لاہور، ت ن، ص: ۶۱، ۶۲ (۴۹) ایضاً، ص:

(۵۰) نغمات حرم، پبلشر ندارد، ت ن، ص: ۱۳۹، ۱۴۰ (۵۱) تحریک آزادی کشمیر، اردو ادب کے آئینے میں،، ص ۱۱۶۔۱۵۷

(۵۲) ایضاً، ص ۲۱۴۔۲۱۶ (۵۳) ایضاً، ۲۸۱ (۵۴) ایضاً، ص ۲۹۰۔۲۹۱